آزادی کے وہم میں گھرا تیونس

مُرتّبہ: حافظ محمد عبداللہ ○

گذشتہ پانچ صدیوں میں اور سقوط غرناطہ کے تھوڑے ہی عرصے بعد دنیا نے بہت بڑی بڑی تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا ہے۔اسی عرصے میں یورپ اپنے عافیت کدے سے نکلااور عالمی وسائل پر قبضہ جمانے اور انھیں اپنے ہاں منتقل کرنے کے لیےاپنے وقت کی مہذب دنیا پر درندے کی مانند ٹوٹ پڑا۔مسلم مشرق پر براہِ راست یہ حملہ دوعنوان سے تھا:صلیبی فوجی حملوں کا تسلسل اور عالمی تجارت پر غلبہ۔نئی جغرافیائی دریافتوں نے یورپ کو مہمیز دی اور استعماری قبضہ بڑھانے کے لیے انھی کو یورپ نے وجہِ جواز بھی بنایا۔'نئی دنیا'یعنی شمالی امریکا کی دریافت بھی دراصل مشرق (خصوصاً مسلم ہندستان) تک رسائی ہی کی ایک کوشش تھی۔یورپی اقوام میں سخت مقابلہ تھا کہ نئے دریافت شدہ خطوں کے وسائل پر تسلط جما کر انھیں اپنے ہم عصروں اور پرانی دنیا پر اپنی دھاک، دھونس جمانے کے لیے استعمال میں لایا جائے۔

اس دوران مسلم دُنیا کے اوّلین دفاعی مورچے اور مشرق کی طرف یورپی اقوام کے پہلے پڑاؤ، شمالی افریقہ (تیونس ،الجزائر،مراکش اور لیبیا) پر کیا گزری؟ خطے کی تاریخ کا یہ عرصہ جن اہم حوادث اور واقعات سے پُر ہے، اسے سمجھے بغیر خطے کے موجودہ حالات کو سمجھنا مشکل ہے۔

سقوطِ غرناطہ اور اندلس سے مسلمانوں کو کھرچ کر نکالنے کا سلسلہ کم و بیش ایک سو برس تک جاری رہا۔اس دوران اسپین اور پرتگال کی فوجیں مسلسل شمالی افریقہ کے ساحلوں کو تاراج کرتی رہیں۔ مراکش کے شہر سبتہ سے ملیلہ تک ،الجزائر اور تیونس کے ساحلوں سے لے کر طرابلس الغرب،

○ شعبہ اُمور خارجہ، منصورہ، لاہور

یعنی لیبیا کے ساحل تک، یہ سارا علاقہ ان ابھرتی ہوئی یورپی استعماری طاقتوں اور مقامی مسلمان حکمرانوں کے درمیان میدان جنگ بنا رہا۔ جلد ہی خطے کے مسلم حکمرانوں کو اندازہ ہوگیا کہ اس بڑھتے صلیبی حملے کو روکنا ان کے بس میں نہیں ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنے بچاؤ کے لیے خلافت عثمانیہ سے مدد کی اپیل کی۔ خلافت کی مداخلت اور عملی فوجی مدد ہی کے نتیجے میں تیونس اور الجزائر اس ہلاکت خیز یورپی استعماری یلغار سے بچنے میں کامیاب رہے۔ چنانچہ مراکش نے بھی عثمانیوں سے دفاعی معاہدہ کیا اور یوں شمالی افریقہ، یورپی سیلاب کے آگے بند باندھنے میں کسی حد تک کامیاب ہوگیا۔ مراکش کے صرف دو شہر سبتہ اور ملیلہ یورپیوں کے قبضے میں رہ گئے تھے۔

اسپین اور پرتگال کے کمزور پڑ جانے پر شمالی افریقہ کی صورت حال میں کچھ بہتری آئی اور انتظامِ حکومت مقامی لوگوں کے ذریعے چلایا جانے لگا۔ اس نئے انتظام کی سربراہی، سرپرست کے طور پر عملی یا رسمی خلافت عثمانیہ کرتی تھی۔

انقلاب فرانس کے بعد اور نپولین بونا پارٹ کے یورپ اور پوری دُنیا پر تسلط جمانے کے عزم نے مصر اور شمالی افریقہ کو ایک بار پھر فرانس کی سامراجی ریشہ دوانیوں کا شکار کر دیا۔ ۱۹ویں صدی کے صنعتی انقلاب نے جارح یورپ کی طاقت میں بے تحاشا اضافہ کر دیا تھا۔ اب پورے شمالی افریقہ پر قبضہ کا پرانا فرانسیسی خواب پھر انگڑائی لینے لگا۔ یوں ۱۸۸۱ء تک تیونس اور الجزائر، فرانسیسی قبضے تلے سسک رہے تھے۔

یورپی سامراج نے دونوں ملکوں پر تسلط جمانے کے لیے دو مختلف انداز اختیار کیے تھے۔ تیونس اور پھر مصر کو بھی بیرونی قرضوں کے جال میں جکڑا گیا۔ سرکاری سطح پر بے تحاشا اسراف، اشرافیہ کی شاہانہ زندگی اور ظاہری نمود و نمایش پر بے اندازہ خرچ کرنے کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی جاتی رہی، بلکہ ہر سطح پر اس کے فروغ میں فعال کردار ادا کیا گیا۔ دونوں ملک جب مالیاتی دیوالیہ پن کا شکار ہوئے تو قرض خواہوں کے حقوق کے نام پر دونوں ملکوں کو مالیاتی حفاظتی تحویل میں لے لیا گیا، جو آگے چل کر سیاسی غلبے اور پھر فرانس کے مکمل قبضے پر منتج ہوا۔ اس عرصے میں خلافت عثمانیہ پر جب بھی کڑا وقت آیا، ان قابض سامراجی طاقتوں نے اسے خطے میں اپنے اثر ونفوذ کو بڑھانے کے لیے سنہری موقعے کے طور پر لیا اور اپنا استبدادی پنجہ محکوموں کی گردن پر گاڑتے چلے گئے۔

تاہم، الجزائر کی مقامی حکومت نے شاہِ فرانس نپولین کے دور میں ہونے والے فرانس کے محاصرے سے فائدہ اٹھایا اور اپنے آپ کو اقتصادی طور پر کچھ مضبوط کرلیا۔ مگر فرانس نے جنگ چھیڑنے کے لیے یہاں پر بھی بہانہ انھی پرانے قرضوں کو بنایا، جو الجزائر کے ذمے واجب الادا تھے۔ جنگ بلقان کے دوران ایک ہی ہلے میں ایک طرف سربیا، یونان اور دوسری طرف الجزائر پر ہاتھ صاف کر لیے۔ یوں شمالی افریقہ کے یہ مسلم ملک طویل دورِ ظلمات میں دھکیل دیے گئے۔ ایک ایسا تاریک عہد کہ جس میں استعماری قبضہ تھا، فرنچ تہذیب کا غلبہ تھا، تیونس اور الجزائر کی اسلامی شناخت مٹانے اور جغرافیائی خدوخال بگاڑنے کے منصوبے تھے۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو شمالی افریقہ کی ان محکوم اقوام کو جنگ کی تپتی بھٹی میں جھونک دیا گیا۔ اس بھٹی میں الجزائر اور سینی گال جیسے بڑے ملکوں کے باشندے ایک بڑی تعداد میں جل مرے۔ مارے جانے والے کتنی بڑی تعداد میں تھے؟ اس کا اندازہ تیونس جیسے چھوٹے ملک کے ہلاک شدگان کی تعداد سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں تیونس کے ۸۰ ہزار مسلمان، فرانسیسی پرچم کی سربلندی کے لیے اپنی جان کی بازی ہار گئے۔

جنگ کے خاتمے پر اور خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد 'انجمن اقوام' (League of Nations) کی چھتری تلے نوآبادیاتی یورپی طاقتوں نے 'انتداب' (mandate) کا ڈول ڈالا۔ انتداب کے اس نام نہاد نظام کے تحت قابض طاقت ہی کو یہ قانونی حق دے دیا گیا کہ وہ مغلوب قوم پر اپنا سامراجی شکنجہ مضبوط کرے اور اس کی اجتماعی زندگی، سیاسی اداروں اور جغرافیے کی تشکیلِ نو کرے۔ اقبالؒ بالادست یورپی طاقتوں کی ان چیرہ دستیوں کی بہترین تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آ بتاؤں تجھ کو رمز آیۂ ان الملوک سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری
ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق طب مغرب میں مزے میٹھے، اثر خواب آوری

'نظام انتداب' کے بعد داخلی خودمختاری کا ڈول ڈالا گیا۔ مقصد تھا مقامی چہروں مہروں کے

ساتھ استبدادی نظام قائم رکھنا۔ تیونس میں سیاسی ادارے اور سیاسی جماعتیں بھی تھیں، لیکن سب کا اختیار و اقتدار انتہائی محدود۔ ملک اقتصادی اور ثقافتی طور پر پوری طرح فرانس کا محکوم اور باج گزار بنادیا گیا تھا۔ جس نے رفتہ رفتہ تیونس کی اپنی شناخت، عقیدے، اصول، اس کی تہذیب وثقافت، زبان وتمدن سب کچھ کو مکمل بدل کر رکھ دیا۔

پہلی اور دوسری جنگ عظیم کا درمیانی عرصہ نیشنل ازم کے علَم برداروں کے لیے انتہائی مایوس کن تھا۔ پہلی جنگ عظیم میں فرانس دنیا کی سپر پاور بن کر ابھرا تھا۔ اس کے پاس دنیا کی سب سے بڑی بَری فوج تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا ظالموں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ رکھی۔ اس کی سنت اس میں ہر دم جاری وساری رہتی ہے: وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لا لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (البقرہ ۲:۲۵۱) ’’اگر اس طرح اللہ، انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا، تو زمین کا نظام بگڑ جاتا‘‘۔

دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوتے ہی نازی جرمنی کے ہٹلر نے فرانس پر قبضہ کرلیا۔ یہ فرانسیسی غرور اور نخوت کے لیے ذلت کا مقام تھا اور اسی سے فرانس کا اپنے طبعی جغرافیائی حدود کی طرف واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ پھر فرانس کو ۱۹۵۴ء کی ویت نام جنگ میں بھی بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ تھے وہ حالات جن میں الجزائر اور تیونس میں آزادی کی تحریک نے زور پکڑا۔ یوں خطے میں سیاسی، انقلابی اور فوجی جدوجہد کا آغاز ہوگیا۔ فرانس نے اپنے نقصان کو کم سے کم رکھنے کے لیے سیاسی تدبیروں کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے محکوم قوموں کو داخلی خودمختاری کی نوید سنائی گئی۔ لیکن کس نخوت کے ساتھ؟ اس کے لیے فرانسیسی وزیر اعظم کا وہ خطاب پڑھنے کے لائق ہے، جو تیونس کے محمد الامین کے سامنے کیا گیا تھا: ’’تیونسی قوم جس حد تک ترقی کرچکی ہے، ہمیں اس پر خوشی منانے کا پورا حق ہے، خصوصاً اس لیے کہ ہم نے ہی تیونس کو ترقی دینے میں اصل کردار ادا کیا ہے۔ یہاں کی اشرافیہ کی بالغ نظری قابلِ تحسین ہے اور جواز فراہم کرتی ہے کہ تیونسی قوم اپنے امور خود سنبھالے۔ اس لیے ہم تیار ہیں کہ داخلی امور تیونسی افراد اور اداروں کے سپرد کردیں‘‘۔

حبیب بورقیبہ نے بطور سربراہ دستوری فریڈم پارٹی مجوزہ داخلی خودمختاری کے لیے فرانس تیونس مذاکرات کی فوری تائید کردی۔ مجاہدین آزادی اور مزاحمت کاروں کو پہاڑوں سے اتر آنے اور

ہتھیار سپرد کردینے کا مشورہ دیا۔ تاہم، سویزرلینڈ میں مقیم پارٹی کے سیکرٹری جنرل صالح بن یوسف نے کھل کر حبیب بورقیبہ سے اختلاف کیا اور اس پر وطن سے غداری کا الزام عائد کیا۔ مسلح مجاہدین کو نہ صرف تیونس بلکہ پورے شمالی افریقہ کی مکمل آزادی تک مزاحمت جاری رکھنے کی ہدایت کی گئی۔

تاہم، جنگ عظیم میں زخم خوردہ فرانسیسی حکومت نے منصوبے کے مطابق مئی ۱۹۵۵ء میں داخلی خودمختاری کے قانون پر دستخط کردیئے۔ جلاوطن بورقیبہ واپس وطن لوٹ آئے اور انھیں آزادی کا ہیرو بنا کر پیش کیا گیا اور پھر مراکش کے بعد ۲۰ مارچ ۱۹۵۶ء کو تیونس کو بھی مکمل آزادی دے دی گئی۔

۲۵ جولائی ۱۹۵۷ء کو پارلیمان کی تائید سے بورقیبہ نے بادشاہت ختم کردی اور خود تیونس کے صدر بن گئے۔ بورقیبہ نے اپنے اقتدار کے ابتدائی مہینوں سے ہی، تیونسی معاشرے کو فرانسیسی مقتدرہ کے حسب منشا ڈھالنے پر کام شروع کردیا تھا۔ اگست ۱۹۵۶ء کو سرکاری گزٹ میں 'نیا پرسنل لا' شائع ہوا، جس کے تحت دوسری اور تیسری شادی پر قانوناً پابندی عائد کردی گئی اور سول کورٹس کو طلاق کے معاملات پر نظرثانی کا اختیار دے دیا گیا۔ اوقاف تحلیل کردیئے گئے اور شرعی عدالتوں کو ختم کرتے ہوئے فرنچ جوڈیشل سسٹم نافذ کردیا گیا۔

۱۹۵۸ء میں جامعہ زیتونہ کے نظام تعلیم اور اس تاریخی اسلامی یونی ورسٹی کے زیرانتظام اداروں کو تعلیم کے عمومی سیکولر نظام تعلیم میں ضم کردیا گیا۔ اسی مہینے میں تیونس کی نیشنل آرمی تشکیل دی گئی اور اپریل ۱۹۵۶ء میں سکیورٹی سسٹم کو مکمل طور پر سیکولر تیونسی رنگ میں رنگ دیا گیا۔

جون ۱۹۵۹ء میں جمہوریہ تیونس کا پہلا آئین نافذ ہوا اور اسی سال نومبر میں ایک مضحکہ خیز الیکشن میں بورقیبہ ۹۹ فی صد ووٹ لے کر پانچ برس کے لیے جمہوریہ کے پہلے صدر بن گئے اور ان کی فریڈم پارٹی نے پارلیمنٹ کی ۱۰۰ فی صد نشستیں حاصل کرلیں۔

سیاسی محاذ پر صالح بن یوسف کے حامیوں کا گھیرا تنگ کیا جاتا رہا۔ ان کے لیے خصوصی عدالتیں قائم کی گئیں اور ان عدالتوں نے مخالفین کو پھانسیوں کی سزائیں سنانا شروع کردیں۔ حتیٰ کہ ۱۹۶۱ء میں صالح بن یوسف قتل کردیئے گئے۔

۱۹۶۲ء میں روزہ رکھنے پر پابندی عائد کردی گئی۔ سرکاری طور پر تجویز یہ کیا گیا کہ سرکاری ملازم اپنے روزوں کی قضا ریٹائرمنٹ پر ایک ساتھ یا دیگر مناسب اوقات میں اپنی مرضی سے

پوری کر لے۔ بورقیبہ نے کوشش کی کہ تیونسی شہریوں کو مقدس مقامات کی زیارت خصوصاً حج بیت اللہ سے روکا جائے۔ دلیل یہ دی گئی کہ ''حج پر جانے سے ملک کا قیمتی زرمبادلہ صرف ہوتا ہے''۔ سرکاری سطح پر متبادل یہ تجویز کیا گیا کہ ''حج کے بجائے اولیاء اللہ اور صالحین کے مقامی مزاروں سے خیر و برکت حاصل کر لی جائے۔ ابوزمعۃ البلوی یا ابولبابۃ الانصاری کے مزار اقدس پر حاضری دے لی جائے''۔ یہ تجویز کسی ادنیٰ سرکاری ملازم کی نہیں تھی بلکہ جمہوریہ تیونس کے صدر حبیب بورقیبہ نے خود صفاقس شہر میں ۲۹/اپریل ۱۹۶۴ء کو اپنے خطاب میں دی تھی۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ فرانسیسی فوجیں ۱۹۶۳ء تک تیونس میں تھیں تو ہمیں پے در پے لوگوں کے عقیدے اور ایمان کے خلاف کیے گئے ان فیصلوں کی اصل وجہ سمجھ میں آنے لگتی ہے۔ فرانس کا منصوبہ تھا کہ تیونس پر اس کا غلبہ کمزور نہ ہو، بلکہ مقامی باشندوں کے بھیس میں اس کا اثر ونفوذ برقرار رہے۔ یوں بظاہر تیونس آزاد تو ہوا لیکن بورقیبہ کی وحشت انگیز ڈکٹیٹرشپ کے زیر سایہ چلا گیا۔ ۳۰ برس بعد بورقیبہ ڈکٹیٹرشپ اس عوامی انقلاب کے نتیجے میں ختم ہوئی جسے آج روٹی کا انقلاب کہا جاتا ہے۔ تاہم، اس انقلاب کے بعد بھی تیونس، فرانس کے پروردہ گماشتوں کے پنجہ سے نہ نکل سکا کہ نیا حکمران بن علی تھا، مکمل طور پر بورقیبہ کی فوٹو کاپی۔

۲۰۱۱ء میں پھر تیونس کے دبے ہوئے، زیردست، مفلوک الحال عوام میں سے ایک، ریڑھی بان، بوعزیزی کی خودسوزی نے ایک اور عوامی انقلاب کو جنم دیا۔ بوعزیزی کے راکھ میں دبے شراروں سے اٹھے اس انقلاب نے جلد ہی پوری عرب دنیا کو ربیع عربی (عرب بہار) کی لپیٹ میں لے لیا اور عشروں سے جمے عرب آمروں کے تخت الٹ گئے۔

تیونس کا پھر ایک اور دستور بنا۔ اس نئے دستور اور نئے انتظام کے تحت ملک بظاہر جمہوری دور میں داخل ہو چکا تھا، لیکن صدر قیس سعید کے حالیہ اقدامات سے ایسے لگتا ہے کہ تیونس پر ایک نیا بورقیبہ مسلط ہو چکا ہے۔ جو اگرچہ فصیح عربی بولتا ہے لیکن اپنے حقیقی خیالات کا اظہار اپنے آقاؤں کی زبان فرانسیسی میں کرتا ہے۔ ایمرجنسی لگانے اور دستور کو معطل کرنے کے اقدامات سے دراصل یہ زمانے کے پہیے کو پھر سے الٹا گھمانے کا خواہش مند ہے۔ چاہتا ہے ملک کو پھر سے واپس فرانسیسی دور میں لے جائے۔

اگرچہ تیونس میں یہ بحث ابھی جاری ہے کہ صدر کا اقدام بغاوت تھی یا صحیح راستے کی طرف واپسی؟ تاہم، اطلاعات ہیں کہ امریکا کی نیشنل سکیورٹی کونسل کے سربراہ نے فون کر کے مطالبہ کیا ہے کہ نئی حکومت کی تشکیل اور معطل پارلیمنٹ کو بحال کیا جائے۔ باالفاظ دیگر صدر کے نام مغربی آقاؤں کا پیغام یہ ہے کہ تم نے ایمرجنسی لگا کر اچھا کیا ہے لیکن ہمیں تمھاری کامیابی کا یقین نہیں ہے۔

تیونس میں لگی حالیہ ایمرجنسی کے دوران قصرِ صدارت میں یہ واقعہ بھی پیش آیا ہے کہ یہاں کے دورے پر آئے ہوئے چند امریکی صحافی گرفتار ہوئے۔ پھر انھیں صدارتی مہمان بنا کر شرف ملاقات بخشا گیا۔ ملاقات میں صدر تیونس یقین دلاتے رہے کہ ''میں ڈکٹیٹر نہیں ہوں'' اور مہمانوں کو فرانسیسی زبان میں امریکی دستور کے اقتباسات سناتے رہے۔ آخر میں جب ان صحافیوں نے اپنے سوالات صدر کے سامنے رکھنا چاہے تو انھیں نیک تمناؤں کے ساتھ رخصت کر دیا گیا۔

غالباً یہ صدارتی مہمان اپنے میزبان سے وہی سولات کرنا چاہتے تھے، جو آج کل تیونس میں زبان زد عام ہیں: کیا واقعی فرانس تیونس سے دست بردار ہو چکا ہے یا ہمیں آزاد ہونے کا صرف وہم لاحق ہے؟